بحث ونظر

مذہب کا اسلامی تصور
(۲)

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اسلام ترک دنیا کا قائل نہیں۔ البتہ وہ اس بات کی ضرور ہدایت کرتا ہے کہ آدمی کی نگاہ اصلاً دوسری دنیا اور اس کی فلاح وکامیابی پر مرکوز رہے۔ جس کا راستہ یہ ہے کہ انسان دنیا کو برتتے ہوئے بھی اس سے بے نیاز رہے۔ دنیا سے وہ فائدہ ضرور اٹھائے لیکن جہاں اللہ ورسول کا حکم ہو اس سے ہاتھ کھینچ لے۔ اور اللہ کے راستے میں اسے اپنی محبوب سے محبوب چیز کو بھی قربان کرنے میں کچھ تامل نہ ہو۔ دین کی اصلاح میں اسی کا نام 'جہاد' ہے جس کا مقصد ہے کہ دنیا کے اندر شیطانی طاقتوں اور باطل قوتوں نے خدا کے دین کے راستے میں جو بے شمار رکاوٹیں کھڑی کر رکھی ہیں، اپنی جان ومال کا نذرانہ پیش کر کے ان رکاوٹوں کو ایک ایک کر کے ہٹایا جائے۔ دنیا سے بے رغبتی اور رہبانیت اگر کوئی پسندیدہ شئی ہے تو اسلام اسی رہبانیت کا قائل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لکل نبی رھبانیۃ ورھبانیۃ ھذہ الامۃ الجھاد فی سبیل اللہ[۱]	ہر نبی کے ہاں رہبانیت کی کوئی صورت رہی ہے۔ اس امت کی رہبانیت اللہ کے راستے میں جہاد ہے۔

ایک دوسرے موقع پر ابو سعید خدری صحابیؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

وعلیک بالجھاد فانہ رھبانیۃ الاسلام[۲]	جہاد کو لازم پکڑو کہ یہ اسلام کی رہبانیت ہے۔

---

[۱] مسند احمد: ۳/۲۶۶ - قال الالبانی عن زید العمی عن ابی ایاس عنہ، قلت وھذا سند ضعیف من اجل زید وھو ابن ابی الحواری کما فی التقریب - وقد قال فیہ الدارقطنی وغیرہ "صالح" فمثلہ یستشھد بہ، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۲/۸۶ ورواہ ایضا الحافظ ابو یعلی ولفظہ: لکل امۃ رھبانۃ..... الخ بحوالہ تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۱۶ [۲] مسند احمد ۳/۸۲ قال الالبانی ورجالہ ثقات، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲/۸۷

لیکن اس سے آگے دنیا کی جائز لذتوں سے اپنے کو محروم کر لینے اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی اسلام تائید نہیں کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو لوگ رہبانیت کے اس غلط تصور سے متاثر تھے آپؐ نے ان کے نقطۂ نظر کی اصلاح فرمائی۔ مشہور واقعہ ہے کہ تین صحابیوں نے ازواج مطہرات میں سے ایک کی خدمت میں حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت وعبادت کے معمولات دریافت کئے۔ تفصیل بتلائے جانے پر انھیں یہ چیز اپنے اندازہ سے کم نظر آئی۔ اس کی توجیہ انھوں نے یہ کی کہ آپؐ کا مقام ہی اور ہے۔ اللہ نے آپؐ کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دئیے ہیں۔ ہمارے لیے یہ چیز کافی نہیں ہو سکتی ہمیں عبادت طاعت میں اس سے بہت زیادہ جان کھپانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک صاحب نے عہد کیا کہ میں رات دن نمازیں بسر کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں سال کے بارہ مہینے روزے رکھوں گا تیسرے صاحب نے طے کیا کہ میں زندگی بھر بیوی بچوں سے کچھ سروکار نہ رکھوں گا۔ تجرد کی حالت ہی میں اس دنیا سے رخصت ہوں گا۔ واپسی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ان لوگوں کو طلب کیا اور فرمایا کہ یہ آپ ہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے اپنے طور پر یہ چیزیں طے کی ہیں۔ تو معلوم ہونا چاہیے کہ میں آپ سب لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔ لیکن میرا طریقہ ہے کہ میں نفلی روزے رکھتا بھی ہوں۔ اور نہیں بھی رکھتا۔ رات میں نفل نمازیں پڑھتا بھی ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں۔ اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں۔ یہ میرا طریقہ ہے۔ اور جو میرے طریقے پر نہ چلے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ۔ لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد، واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔[1]

حضرت ابو درداءؓ صحابی رسولؐ بھی ایک ایسے ہی شخص تھے جنھیں کھانے پینے اور بیوی بچوں سے تعلق کی مصروفیات مطلوبہ دینداری کے منافی نظر آتی تھیں۔ ان کے مواخاتی بھائی حضرت سلمان فارسیؓ کا ان کے ہاں جانا ہوا تو ان کی بیوی ام درداءؓ کو پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس، بگڑی ہیئت میں زندگی کی امنگ ونشاط سے عاری پایا۔ وجہ دریافت کرنے پر بولیں کہ تمہارے بھائی ابو درداءؓ کو دنیا سے کچھ مطلب نہیں۔ پھر میرے لیے بن سنور کر رہنے کا کیا موقعہ ہے۔ اتفاق ایسا کہ اتنے میں ابو درداء آگئے اور مہمان کے لیے کھانا تیار کیا گیا۔ ابو درداء نے حضرت سلمانؓ سے کہا کہ آپ بسم اللہ کریں میں تو روزے سے ہوں۔ انھوں نے کہا میں تمہارے بغیر لقمہ نہیں اٹھا سکتا۔ آخر وہ روزہ توڑ کر ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔ تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ

---

[1] بخاری جلد ۲۔ کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، مسلم جلد ۱۔ کتاب النکاح، باب استحباب النکاح الخ۔ نیز مسند احمد ۲۸۵/۳۔

ابو درداء نے نوافل کے لئے کمر کسنی چاہی۔ حضرت سلمان نے انھیں روکا کہ ابھی سونے کا وقت ہے۔ ذرا دیر ہوئی انھوں نے پھر اسی ارادے سے اٹھنا چاہا۔ اس بار بھی حضرت سلمان نے انھیں منع کیا کہ ابھی آرام کا وقت ہے۔ لیٹے رات کے آخری پہر میں حضرت سلمان نے انھیں اٹھنے کو کہا اور دونوں نے مل کر تہجد کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے جو بات کہی وہ اسلام کے مطلوبہ تصور دینداری کی بہترین ترجمان ہے۔ آپ نے فرمایا:

ان لربك عليك، وان لنفسك عليك حقا، ولاهلك عليك حقا، فاعط كل ذى حق حقه۔

تمہارے رب کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہاری ذات کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہارے اہل وعیال کا تمہارے اوپر حق ہے۔ تو ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو۔

حضرت ابو درداء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپؐ نے حضرت سلمان کی توثیق کی اور فرمایا کہ انھوں نے بالکل سچ کہا۔[1]

ایک دوسرے صحابی حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔ جو دن کو مسلسل روزے رکھتے اور راتیں نوافل میں گزارتے۔ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آئی تو آپؐ نے انھیں ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ البتہ ناغہ کر کے روزہ رکھنے کی اجازت دی۔ اور رات کے ایک حصہ میں آرام کے بعد تہجد و نوافل میں مشغول ہونے کی تاکید کی۔ اور اس کی وجہ یہی بیان فرمائی کہ:

فان لجسدك عليك حقا وان لعينك عليك حقا وان لزوجك عليك حقا وان لزورك عليك حقا۔[2]

تمہارے جسم کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہاری بیوی کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہارے ملنے والوں کا تمہارے اوپر حق ہے (تو پھر ہر حق دار کو اس کا حق ملنا چاہیے)

عبادات میں اعتدال

اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلام نے میانہ روی و اعتدال کو عبادت کا ایک اہم اصول قرار دیا۔ مسلمان کی زندگی کے سب سے قیمتی لمحات وہ ہیں جو خدا تعالیٰ سے راز و نیاز اور اس کی رضا کی طلب میں بسر ہوں، جس

---

[1] بخاری جلد ۱۔ کتاب الصوم۔ باب من اقسم علی اخیہ لیفطر علیہ فی التطوع۔ الخ [2] بخاری جلد ۱ کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم۔

کا بہترین ذریعہ اس نے روزے اور نماز کو قرار دیا ہے۔ لیکن اسلام اس سلسلے میں بھی بندۂ مومن کو ایک خاص حد سے آگے جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ تاکہ دین و دنیا دونوں کی بھلائی کا اس کا مطلوبہ تصور مجروح نہ ہو سکے۔ عبادات کے سلسلے میں وہ اسے ایک خاص دائرے کا پابند بناتا ہے تاکہ دنیا کے معاملات و مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اس کے اندر قوت کار باقی رہے۔ عبادات چہارگانہ میں روزے کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے جو ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ اس کے سلسلے میں فرماتا ہے کہ "روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں اس کا بدلہ بھی خاص طور پر ہی عطا کروں گا"[1] لیکن مسلسل اور لگاتار روزے رکھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جس سے آدمی کی قوتِ کار گھٹے اور دوسری دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں کوتاہی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا صام من صام الدھر، صوم ثلاثۃ ایام صوم الدھر کلہ	اس شخص کا کچھ روزہ نہیں جو ہمیشہ کے روزے رکھے۔ (مہینے میں) تین کا روزہ ہمیشہ کے روزے کے برابر ہے۔

آگے ان کی اس درخواست پر کہ میں اپنے اندر اس سے زیادہ کی ہمت پاتا ہوں، آپؐ نے انھیں حضرت داؤدؑ کے طریقے کا حکم دیا جس کی خصوصیت تھی کہ ناغہ کی وجہ سے ان کے اندر دشمن سے مقابلہ میں کمزوری نہیں رہتی تھی:

قلت فانی اطیق اکثر من ذٰلک قال فصم صوم داؤد وکان یصوم یوما ویفطر یوما ولا یفر اذا لاقی[2]	میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تو تم حضرت داؤدؑ کا روزہ رکھو۔ جو ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے۔ اور (یہی وجہ تھی جو) دشمن سے مقابلہ پر وہ پیٹھ نہیں دکھاتے تھے۔

یہی بات دوسرے موقعہ پر تاکید کے لیے آپؐ نے دوبارہ فرمائی:

لا صام من صام الابد[3]	اس شخص کا کچھ روزہ نہیں جو لگاتار مسلسل روزے رکھے۔

---

[1] متفق علیہ بحوالہ ریاض الصالحین، مصر ۱۹۳۸ء [2] بخاری جلد ا کتاب الصوم، باب صوم داؤد علیہ السلام
[3] حوالہ سابق، باب حق الاہل فی الصوم، نیز ملاحظہ ہو، مسند احمد: ۴/۲۵، ۲۶

نماز کی اہمیت دین میں معلوم ہے۔ قرآن و حدیث کی صراحت ہے کہ یہ وہ اعلیٰ ترین صورت ہے جس میں آدمی کو حق تعالیٰ کی قربت و معیت نصیب ہوتی ہے[۱]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی نگاہوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے[۲]۔ لیکن طاعت و بندگی کے اس نقطۂ کمال کے سلسلے میں بھی اسلام اسی اعتدال و توازن کی تاکید کرتا ہے۔ جس سے دین کے دیگر مطالبات بھی پورے کئے جاسکیں۔ اور شریعت اپنے ماننے والوں پر دین و دنیا کی جو دوہری ذمہ داریاں ڈالتی ہے ان کا حق ادا کرنے میں کوئی کمی نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں کہیں معاملہ اس جادۂ اعتدال سے ہٹتا نظر آیا، آپؐ نے اس پر فوراً روک لگائی۔ حضرت زینبؓ صحابیہ اپنا لمبا وقت نوافل میں گزارتی تھیں۔ انھوں نے مسجد نبوی کے دو ستونوں کے بیچ ایک رسی باندھ رکھی تھی۔ کھڑے کھڑے جب تھک جاتیں تو اسی کا سہارا لے لیتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تفصیل معلوم ہوئی تو آپ نے رسی کو کھولنے کا حکم دیا اور تاکید فرمائی کہ:

لیصل احدکم نشاطہ فاذا اختر فلیقعد[۳]	تم میں کا کوئی شخص نماز پڑھے جب تک کہ اس کے اندر نشاط باقی رہے۔ جب تھک جائے تو چاہیے کہ بیٹھ جائے۔

ایک دوسری صحابیہ حضرت حمنہ بنت جحشؓ کا بھی یہی معاملہ تھا۔ جو اسی صورت سے لمبی لمبی نفلیں ادا کرتی تھیں۔ آپؐ نے انھیں بھی ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا:

لتصل ماطاقت فاذا عجزت فلتقعد[۴]	نماز پڑھیں جب تک کہ قوت رہے۔ جب ہمت نہ رہ جائے تو چاہیے کہ بیٹھ جائیں۔

ایسی ہی ایک صحابیہ قبیلۂ بنی اسد کی حضرت خولاؓ تھیں۔ جو رات میں تھوڑی دیر کے لیے بھی بستر پر پیٹھ نہ دیتی تھیں۔ اس کی وجہ سے ان کی نمازوں کا بڑا شہرہ تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے تو یہ ان کے پاس تھیں۔ ان کے سلسلے میں اس تفصیل کے علم میں آنے کے بعد آپؐ نے انھیں اس سے روکا اور ارشاد فرمایا کہ:

۱؎ قلم :۱۹، نیز مسلم جلد ۱۔ کتاب الصلوٰۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود

۲؎ نسائی جلد ۲۔ کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء، نیز مسند احمد: ۳/۱۲۸، ۱۹۹، ۲۸۵

۳؎ بخاری جلد ۱۔ کتاب التہجد، باب مایکرہ من التشدید فی العبادہ، ابوداؤد جلد ۱۔ کتاب الصلوٰۃ، باب نعاس فی الصلوٰۃ۔

۴؎ مسند احمد: ۳/۱۸۴۔ نیز: ابوداؤد حوالہ مذکور

علیکم بما تطیقون من الاعمال
فان اللہ لا یمل حتی تملوا[1]

(عبادت کے) معمولات اسی قدر اپناؤ جتنا کہ آسانی سے کر سکو۔ اس لیے کہ اللہ (بدلہ دینے سے) نہیں اکتائے گا۔ تم ہی (عمل سے) اکتا جاؤ گے۔

اس سے ہٹ کر آپؐ نے عام اصول کی حیثیت سے بار بار تاکید فرمائی کہ لوگ دین کے معاملہ میں بیجا سختی اور تشدد سے احتراز کریں۔ اس لیے کہ اس راستے پر آدمی زیادہ دور تک نہیں چل سکتا۔ بہت جلد وہ تھک جائے گا اور اکتاہٹ کا شکار ہو کر اپنا نقصان کرے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الدین یسر، ولن یشاد
الدین احد الا غلبہ، فسددوا
وقاربوا وابشروا واستعینوا
بالغدوۃ والروحۃ وشئ
من الدلجۃ[2]

دین میں آسانی (کا راستہ اچھا) ہے۔ جو کوئی اس کے سلسلے میں بیجا سختی کی راہ اپنائے گا ہار جائے گا۔ پس تم اعتدال اور میانہ روی کے طریقے پر چلو۔ ورنہ اپنے کو اس سے قریب تر رکھو۔ (خدا کی رحمت کی امید پر) خوشی اور شادمانی میں رہو۔ اور بیجا سختیاں کرنے کے بجائے سمجھدار مسافر کی طرح، صبح تڑکے شام سویرے اور رات کے پچھلے پہر چل کر فراغت و اطمینان سے منزل تک رسائی کا سامان کرو۔

اس راہ کی آخری منزل رہبانیت اور ترک دنیا ہے۔ جس میں پھنس کر حضرت مسیحؑ کے پیروؤں کو اپنے کو گرجوں اور خانقاہوں میں محصور کر لینا پڑا تھا۔ اسلام کی یہ منزل نہیں اس لیے وہ اس راستے کو بھی اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہؓ کو بار بار تاکید کرتے تھے:

لا تشددوا علی انفسکم
فیشدد علیکم فان قوما

اپنے اوپر بے جا سختیاں نہ کرو کہ تم پر مزید سختیوں کا بوجھ لاد دیا جائے۔ اس لئے کہ کچھ

---

[1] بخاری جلد ۱۔ کتاب التہجد، باب مایکرہ من التشدید فی العبادہ، نیز ملاحظہ ہو کتاب الایمان، باب احب الدین الی اللہ ادومہ، مسند احمد ۲۴۹/۶، ۲۵۰

[2] بخاری جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب الدین یسر، نیز نسائی جلد ۲۔ کتاب الایمان و شرائعہ، باب الدین یسر۔

شددوا علی انفسھم فشدد الله علیھم فتلك بقایا ھم فی الصوامع والدیار، رھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبنا علیھم[1]	لوگوں نے اپنے اوپر بے جا سختیاں کیں تو اللہ نے ان پر مزید سختیوں کا دروازہ کھول دیا۔ اب یہ انھیں کی یادگاریں ہیں جنھیں تم گرجوں اور عبادت خانوں میں محبوس پاتے ہو۔ رہبانیت کا نتیجہ جسے انھوں نے اپنے جی سے گھڑا۔ ہم نے اسے ان کے اوپر فرض نہیں کیا۔

دینی زندگی کا وسیع تصور:

عام طور پر مذہب اور دینداری کے نام پر خاص طرح کی وضع قطع اور طاعت و بندگی کے محدود اعمال کا تصور ذہن میں بندھتا ہے لیکن اسلام جس مذہبیت اور دینداری کا علمبردار ہے اور مذہبی زندگی کا جو تصور پیش کرتا ہے، اس کا رنگ اس سے بالکل مختلف ہے۔ جس کا تقاضا ہے کہ انسان زندگی کے پھیلے ہوئے دائرے میں خدا اور بندگان خدا کے حقوق ادا کرے۔ زندگی کے ہر موڑ پر خدا تعالیٰ کے احکام و ہدایات کی بے لاگ پیروی کرے۔ اور اللہ کے دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو۔ یہاں تک کہ اس راستے میں اسے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہ ہو۔ مدینہ پہنچنے کے کچھ دنوں بعد جب مسلمانوں کو بیت المقدس کے بجائے خانۂ کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو اہل کتاب کے ساتھ ان کے اثر کچھ مسلمانوں کو بھی یہ حکم ناگوار گزرا[2]۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر قرآن نے مطلوبہ نیکی اور دینداری کی جو تفصیل پیش کی ہے اس سے اسلامی تصور مذہب کی وسعت و جامعیت کا اندازہ اچھی طرح کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد ہوا:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	نیکی اور دینداری یہ نہیں کہ تم (نماز میں) اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف کرو۔ نیکی ان کی ہے جو ایمان لائیں (اللہ پر) آخرت کے

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ کتاب الادب، باب الحسد، ورواہ ایضا الحافظ ابویعلی بحوالہ تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۱۶۔
[2] تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۰۷۔

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ	دن پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر
وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي	اور مال کو خرچ کریں اس کی محبت کے باوجود،
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ	رشتہ داروں پر، یتیموں پر، مسکینوں پر، مسافر
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ	اور مانگنے والوں پر اور گردنیں چھڑانے میں، اور
وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ	نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اور عہد و پیمان
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ	کو پورا کرنے والے جب وہ ایسا کریں۔ اور
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَ	جمنے والے پریشانی میں اور تکلیف میں اور
الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ	جنگ کے وقت۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی
وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	لوگ (اللہ سے) ڈر کر رہنے والے ہیں۔
صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ	(البقرہ: ۱۷۷)

دوسرے موقعہ پر بھی قرآن نے اپنی مطلوبہ دینداری کی یہی خصوصیت بیان کی ہے۔ زمانہ نزول قرآن میں کچھ نام نہاد مسلمان[1] صرف ایمان کا دعویٰ کرکے زبانی جمع خرچ سے کام چلانا چاہتے تھے۔ قرآن نے کہا کہ ایمان کا حق زبانی دعووں سے ادا نہیں ہوتا۔ اس کے تقاضوں میں انفرادی اعمال کی بجا آوری کے ساتھ جان و مال کی قربانی بھی شامل ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ	اس کے رسول پر اور انھیں کچھ شک نہ ہو۔
جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ	اور اللہ کے راستے میں جہاد کریں اپنی جان
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ	اور مال سے۔ یہی لوگ سچے ہیں۔ کہو کیا تم
الصّٰدِقُوْنَ ۝ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ	(زبانی دعووں سے) اللہ کو اپنے ایمان کا پتہ
اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا	جبکہ اللہ جانتا ہے وہ سب جو آسمانوں اور
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

---

[1] امام بخاری کے نزدیک اس سلسلۂ بیان کا مصداق منافقین ہیں جو دل سے کافر ہوتے ہوئے صرف زبان سے اپنے ایمان کا اظہار کرتے تھے۔ لیکن حافظ ابن کثیر نے اس سے مراد نام نہاد مسلمانوں کو لیا ہے جو صرف زبانی جمع خرچ سے کام چلانا چاہتے تھے۔ اور اسی رائے کو راجح قرار دیا جارہا۔ ابراہیم نخعی اور قتادہ کا بھی یہی خیال ہے۔ اور ابن جریر کا پسندیدہ مسلک بھی ہے۔ ملاحظہ ہو، ابن کثیر ۴/۲۱۹

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (حجرات: ۱۴۔۱۵)

اسی طرح قرآن اپنے ماننے والوں کو فوز و فلاح سے ہم کنار ہونے کے لئے رکوع و سجود اور بندگی رب کے ساتھ بھلائی کے کام کا بھی حکم دیتا ہے۔ جس کے اندر کسی تخصیص کے بغیر نیکی اور بھلائی کے تمام کام شامل ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا	اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے
وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ	رب کی بندگی کرو۔ اور بھلائی کے کام کرو تاکہ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (حج: ۷۷)	تم کامیاب ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں کے اندر دینی زندگی کے نقطۂ آغاز ایمان و اسلام کی جو تشریحیں کی ہیں اور ان کے جو تقاضے بیان کئے ہیں، اس سے بھی اسلام کی مطلوبہ دینداری کی یہی تصویر ابھرتی ہے کہ اس کا تعلق محدود معنوں میں صرف خدا اور بندے کے معاملہ سے نہیں، دنیاوی زندگی کے وسیع تر معاملات بھی اس کے اندر اسی طرح شامل ہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ: اسلام کی ستر سے اوپر شاخیں ہیں۔ ان میں سب سے اونچی چیز کلمہ 'لاالٰہ' کا اقرار ہے۔ اور اس کا سب سے کم تر درجہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے۔ اور شرم و حیا بھی ایمان کا ایک حصہ ہے[1]۔ مومن و مسلم کی تعریف یہ بیان فرمائی کہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان اور مال کے سلسلے میں بالکل بے خوف رہیں[2]۔ ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ: اس شخص کا کچھ ایمان نہیں جسے امانت کا پاس نہیں اور اس شخص کا کچھ دین نہیں جو عہد و پیمان کا پابند نہیں[3]۔ اسی طرح پڑوسی کے حق کی ادائیگی کو آپؐ نے ایمان کا صریحی تقاضا قرار دیا۔" آپؐ نے تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ اس شخص کا کچھ ایمان نہیں جس کی لائی ہوئی آفتوں سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ رہیں[4]۔" دوسری حدیث میں فرمایا کہ:" اس شخص کے اندر ایمان کی کچھ رمق نہیں جو خود پیٹ بھر کر سوئے جبکہ اس کا پڑوسی وہیں اس کے پہلو میں بھوک سے کروٹیں بدل رہا ہو[5]۔" ایک دوسرے موقعہ پر ارشاد ہوا کہ: "جسے یہ پسند ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا (راوی کو شک ہے) یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اس

---

[1] متفق علیہ بحوالہ مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان۔ [2] ترمذی جلد ۲۔ کتاب الایمان، باب ماجاء المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، نسائی جلد ۲۔ کتاب الایمان وشرائعہ، باب صفۃ المومن، مسند احمد: ۲/ ۱۵۴

[3] مسند احمد: ۳/ ۱۳۵۔ بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوۃ، کتاب الایمان۔

[4] بخاری جلد ۲۔ کتاب الادب، باب اثم من لایامن جارہ بوائقہ، مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب تحریم ایذاء الجار

[5] بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوۃ المصابیح، کتاب الادب، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق

سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ جب بولے تو سچ بولے، اس کے پاس امانت ر ر ائے تو اسے (اسی طرح) ادا کرے اور جو اس کے پڑوسی ہوں، ان کے پڑوس کا حق اچھی طرح ادا کرے[۵۱] ایک دوسر حدیث میں فرمایا کہ: بیوہ اور مسکین کے لیے تگ و دو کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے مانند ہے یا ر ی کا شک ہے) اس شب زندہ دار کی طرح جو تھکنے کا نام نہ لے یا اس روزہ دار کی طرح جو انتہائی کثرت سے نفلی روزے رکھے[۵۲]" مزید ارشاد ہوا؟ کہ میں اور کسی یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ مثال میں آپ نے اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلیوں کو ملا کر بتایا[۵۳]"

صدقہ وخیرات کے سلسلے میں ذہن عام طور پر اس سے آگے نہیں بڑھتا کہ آدمی اپنے مال کا ایک حصہ نکالے اور اسے کمزوروں اور محتاجوں پر خرچ کردے۔ لیکن حدیث کے اندر حضور صلی اللہ وسلم نے اس کے بہت وسیع دائروں کی نشاندہی کی ہے اور ان کاموں کی ایک لمبی فہرست بتائی ہے جس پر اس عمل خیر کا اطلاق ہوتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا دینداری کا تصور اپنے اندر کس قدر وسعت اور عموم رکھتا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ: "ہر بھلائی کا کام ایک طرح کا صدقہ ہے۔ اور یہ بھی بھلائی کا کام ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو۔ اور اپنے ڈول کا پانی اپنے بھائی کے ڈول میں انڈیل دو[۵۴]" دوسرے موقعہ پر اس کی مزید تفصیل ارشاد فرمائی کہ: "تمہارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا بھی صدقہ ہے۔ تمہارا بھلائی (معروف) کا حکم دینا اور برائی (منکر) سے منع کرنا صدقہ ہے بھٹکنے کی جگہ کسی شخص کو راستہ دکھانا صدقہ ہے۔ اسی طرح تمہارا اپنے ڈول کا پانی اپنے بھائی کے ڈول میں انڈیل دینا صدقہ ہے[۵۵]" دوسری حدیث میں فرمایا: "آدمی کا ایک بار 'سبحان اللہ' کہنا صدقہ ہے، ایک بار 'اللہ اکبر' کہنا صدقہ ہے۔ ایک بار 'الحمد للہ' کہنا صدقہ ہے۔ ایک بار کا 'لا الہ الا اللہ' کہنا صدقہ ہے۔ بھلائی (معروف) کا حکم دینا صدقہ ہے۔ برائی (منکر) سے منع کرنا صدقہ ہے۔ اسی طرح حلال طریقے سے آدمی کا جنسی خواہش پورا کرنا بھی صدقہ ہے[۵۶]" ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ: "جو مسلمان کوئی پودا لگاتا یا کوئی چیز بوتا ہے، پھر اس سے کوئی پرندہ، جانور یا انسان کھاتا ہے۔ تو یہ چیز اس کے لئے صدقہ شمار ہوتی ہے[۵۷]"

---

۵۱ حوالہ سابق
۵۲ بخاری جلد ۲۔ کتاب الادب۔ باب الساعی علی المسکین، مسلم جلد ۲۔ کتاب الزہد۔ باب فضل الاحسان الی الارملۃ الخ

۵۳ بخاری جلد ا۔ کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیما۔ نیز، مسند احمد: ۵/۲۵

۵۴ ترمذی جلد ۲۔ ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی طلاقۃ الوجہ وحسن البشر ۵۵ حوالہ سابق، باب ما جاء فی صنائع المعروف، قال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب ۵۶ مسلم جلد ا۔ کتاب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف۔ ۵۷ بخاری جلد ا۔ ابواب الحرث والمزارعۃ، باب فضل الزرع والغرس، مسلم جلد ۲۔ کتاب المساقاۃ والزرع باب فضل الغرس والزرع۔

خدا اور بندگان خدا کے حقوق کے علاوہ تیسری چیز جس کے بغیر اسلام کے مطلوبہ تصور دینداری تکمیل نہیں ہوتی، جیسا کہ اشارہ کیا گیا، جہاد ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ آدمی دین اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ دنیا کے اندر اس کے غلبہ و نفاذ کے لیے کوشاں ہو۔ یہاں تک کہ پوری دنیا پر اسلام کا پھریرا لہرا جائے، اسلامی نظام زندگی کی راہ کی رکاوٹوں کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا جائے اور دنیا کے اندر باطل افکار و نظریات اور ان کے علمبرداروں کے لیے کوئی جگہ باقی نہ رہے۔ اس مقصد کے لیے بسا اوقات زبان اور قلم کا جہاد کافی ہوگا۔ لیکن ایک مرحلہ آئے جب تلوار کو نیام سے نکالنا پڑے گا۔ اور اسلام کا کلمہ بلند کرنے کی خاطر جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جنگ میں نکل آنا ہوگا۔ یعنی قتال اور جنگ، جس کے لیے عملاً نہیں تو ذہناً ہر مسلمان کو تیار رہنا چاہیے۔ جس شخص کے احساسات و جذبات اس کیفیت سے عاری ہوں اس کی زندگی ایمان و اسلام کی نہیں بلکہ نفاق اور بے دینی کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے:

من مات ولم یغز ولم یحدث به نفسه مات علی شعبة من نفاق سلہ	جس کی کو موت آئے اس حال میں کہ وہ (اللہ کے راستے میں) لڑے، نہ اس کے دل میں اس کا خیال آئے تو وہ نفاق کے کسی نہ کسی درجہ پر مرتا ہے۔

مسلمان کی زندگی میں اس کے بغیر ایسا خلا رہتا ہے جسے کسی دوسری صورت سے پُر نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے موقعہ پر فرمایا:

من لقی اللہ بغیر اثر من جہاد لقی اللہ وفیہ ثلمة سلہ	جو کوئی اللہ سے ملے گا اس حال میں کہ اس کے اوپر (اللہ کے راستے میں) جہاد کا نشان نہ ہوگا تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے اندر ایک (بہت بڑا) خلا ہوگا۔

دینداری کا یہ راستہ کٹھن ہے اور اپنے ساتھ بڑے مسائل اور مشکلات رکھتا ہے۔ لیکن اسلام اسی دینی زندگی کا قائل ہے۔ ان مسائل سے کٹ کر بظاہر یکسو مذہبی زندگی اس کے لئے کسی صورت قابل قبول نہیں۔ حضرت ابو امامہؓ صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

سلہ مسلم جلد ۲۔ کتاب الامارۃ، باب ذم من مات ولم یغز، الخ۔ نسائی جلد ۲ کتاب الجہاد، باب التشدید فی ترک الجہاد،

سلہ ترمذی جلد ۱۔ ابواب فضائل الجہاد، باب بلا ترجمہ۔ ابن ماجہ، ابواب الجہاد، باب التغلیظ فی ترک الجہاد۔ قال الترمذی حدیث غریب

ساتھ کسی 'سریہ' میں نکلے سفر کے دوران قافلہ کے ایک شخص کا گزر کسی غار کے پاس سے ہوا۔ جہاں اسے پانی کی سہولت نظر آئی۔ خیال ہوا کہ کیوں نہ یہیں رہ پڑے پانی موجود ہی ہے۔ آس پاس میں ساگ سبزی بھی مل ہی جائے گی۔ جس سے جسم و جان کا رشتہ قائم رکھنا مشکل نہ ہوگا۔ اور اس طرح دنیا کے جھمیلوں سے کٹ کر وہ پوری یکسوئی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں لگا رہے گا۔ اجازت لینے کے لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنے ارادے کی تفصیل بیان کی۔ اس کے جواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ 'اسلامی تصور مذہب' کا بہترین ترجمان ہے۔ اسلام کے اس آئینے کو ان لوگوں کو اپنے سامنے ضرور رکھنا چاہیے جو مذہب کو انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ قرار دیتے ہوئے اسلام کو بھی اسی صف میں گھسیٹنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

انی لم ابعث بالیہودیۃ ولا	مجھے یہودیت اور نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا
بالنصرانیۃ ولکنی بعثت با	ہے بلکہ میں نرم حنیفیت دے کر بھیجا گیا ہوں۔ اس
لحنفیۃ السمحۃ والذی	ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے'
نفس محمد بیدہ لغدوۃ	خدا کے راستے میں (جہاد کے لیے) ایک صبح
اور وحۃ فی سبیل اللہ خیر	یا شام کا نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور تم
من الدنیا ومافیہا ولمقام	میں کسی شخص کا (تھوڑی دیر کے لیے بھی) جنگ کی
احدکم فی الصف خیر	صفوں میں کھڑا ہونا نماز کے لیے ساٹھ سال
من صلاتہ ستین سنۃ [1]	کھڑے رہنے سے بہتر ہے۔

---

[1] مسند احمد: ۵/ ۲۶۶۔ نیز ملاحظہ ہو۔ ترمذی جلد ۱۔ ابواب فضائل الجہاد۔ باب بلا ترجمہ۔ الفاظ میں اختلاف ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی تازہ اہم تصنیف

دین اسلام اور اوّلین مسلمانوں کی دو متضاد تصویریں

(عقائد اہل سنت وعقائد فرقۂ اثنا عشریہ کا تقابلی مطالعہ)

سید المرسلین، خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علوِّ شان، بعثتِ عظمیٰ کے مقاصد و نتائج، انسان کی فطری صلاحیت و اصلاح پذیری کی رو سے، اور غیر جانبدار تاریخ کی شہادت کی روشنی میں کون سی تصویر (دعوتی و اصلاحی کام کرنے والوں کے لیے) حوصلہ افزا و ہمت آفریں اور ایک صاحب انصاف کے لیے قابل قبول اور مطابق واقعہ ہے؟ — تاریخ کا حقیقت پسندانہ جائزہ اور خمینی مناحب کے حامیوں کے لیے دعوتِ فکر — معیاری و اعلیٰ کتابت، آفسٹ کی طباعت قیمت اردو ایڈیشن چھ روپیے۔ (عربی، انگریزی اور فارسی ایڈیشن زیر طبع۔) مجلس تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ - لکھنؤ